

## قیام امن کیلئے عہد رسالت کے مثالی اقدامات

### The Ideal Initiatives for Peacekeeping during the Period of the Prophethood

پروفیسر ڈاکٹر حافظ سعید احمد چنیوٹی \*

#### ABSTRACT

A peaceful society is necessary for the development of any country and nation. Peace means rest of mind and satisfaction. Peace means to create such type of environment where each and every person can perform his or her daily functions of life without any fear and threat. To establish a peaceful society, two types of steps are required to be taken: Ideological Steps; Practical Steps

The sayings, the personal character and the practical steps of the Prophet of Peace (ﷺ) are a perfect picture of love and fraternity in society. The Prophet (ﷺ), through his teachings and actions, spread the sense of human rights and respect for the humanity. He taught to observe equality in law and justice. He united various nations through Mīthāq al-Madīnah. He signed contracts of peace with other nations, too. The Treaty of Ḥudaybiyah is a brilliant example of how to end war and terrorism and to initiate peace to the utmost possible extent.

In the end of this discourse, it has been proved with arguments and references from history that al-Jihād al-Islāmī was used as a last resort to eradicate mischief and persecution to create peace in the land.

**Keywords:** *Peaceful Society; Satisfaction; Fraternity; Teachings; Humanity*

\* صدر شعبہ علوم عربیہ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ ٹی۔ آئی کالج چناب نگر (چنیوٹ)

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين نبينا محمد وعلى  
آله وصحبه أجمعين - وبعد

یہ موضوع حساس بھی ہے، اہم بھی اور دور حاضر کی ضرورت بھی ہے۔ پیغمبر امن ﷺ کے فرمودات اور آپ کی ذات گرامی کا کردار امن و سلامتی کا پیغام اور محبت و مودت کی عملی تصویر ہے۔ سیرت نبوی ﷺ کے تمام پہلو معاشی ہوں یا معاشرتی، سیاسی ہوں یا دفاعی امن کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ موجودہ پر فتن حالات میں اشد ضروری ہے کہ سادہ لوح عوام اور مغرب کے فریب خوردہ سکالرز کو حقیقت سے آگاہ کیا جائے اور ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے کتاب و سنت کی روشنی تاریخی شواہد اور واقعاتی دلائل و براہین کے ساتھ واضح کیا جائے کہ اسلام ایک دین رحمت ہے۔ اور یہ ثابت کیا جائے کہ کائنات میں صرف ایک ہی شخصیت ہے جس کی فکر اور عمل امن و سلامتی کے حوالے سے مشعل راہ ہے اور وہ صرف اور صرف حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ انہیں پیغمبر اسلام اور پیغمبر امن کہنے میں کوئی فرق نہیں۔ پیغمبر امن کی زندگی کا کوئی قول یا فعل ایسا نہیں جو امن و سلامتی کے منافی ہو۔ یہ چیلنج پیغمبر امن کی سیرت کے علاوہ کسی اور کے کردار سے متعلق نہیں کیا جاسکتا۔

وہ شخصیت بلد امین میں جس کی ولادت ہوئی، امن کی گود میں پرورش پائی، حلم و بردباری کے شیر سے تربیت ہوئی، حدود حرم میں پھلا پھولا، متولی کعبہ کی سرپرستی میں زندگی گزاری، اس کا لقب پیغمبر امن نہ ہو تو اور کیا ہو۔

دوسری طرف دنیا میں امن کے کاغذی خاکے بنانے والے، قوانین و آئین کے گھتیاں سلجھانے والے، صلح و آشتی کی شرائط و حدود کا تعین کرنے والے دعوؤں اور نعروں سے لوگوں کے دل بہلانے والے، پر فریب وعدوں سے عوام کو پھنسانے والے، امن و سلامتی کے عملی میدان میں زیر و ہیں۔ امن و سلامتی کیلئے سیرت رسول ﷺ کے تطبیقی اور عملی مظاہر ملاحظہ فرمائیے۔

### سیرت طیبہ کی تطبیقی تقسیم:

تاریخی اور زمانی اعتبار سے سیرت طیبہ کے دو بڑے عنوان ہیں۔

۱۔ سیرت قبل از نبوت      ۲۔ سیرت بعد از نبوت

پھر سیرت نبوی کو دو ادوار کی اور مدنی میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مؤلفین اور سیرت نگاروں نے کتب سیرت کے واقعات کو اسی ترتیب سے ذکر کیا ہے۔ لیکن کانفرنس کا عنوان، "امن عالم سیرت طیبہ کی روشنی میں" کا تعلق، معاشرت، باہمی روابط، اور معاملات سے ہے۔ کہ پیغمبر امن نے اپنوں اور غیروں سے دوستوں اور دشمنوں سے، حامیوں اور مخالفین سے کیسا برتاؤ کیا؟ اور مخالفین کا پیغمبر اسلام سے رویہ کیسا تھا اور رد عمل کیا تھا؟

انسانی زندگی کے دو حالات ہیں:

(۱) مجبور و مقہور، مظلوم اور مفتوح

(۲) غالب و جابر، فاتح، ظالم

مجبور انسان مظلومیت کے عالم میں گندی زبان استعمال کرتا۔۔۔۔۔ ظالم کے خلاف بد دعائیں کرتا ہے، یا غالب ہو کر مفتوح کی عزت و ناموس کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ مگر محمد عربی ﷺ کے اقدامات دونوں حالتوں میں اعتدال اور رحمت کا دامن تھامے ہوئے ہیں۔

مکی دور میں مظلومانہ زندگی بسر کی، طائف میں ستائے گئے، تشدد کیا گیا، زخمی اور خون آلود ہوئے، مگر زبان پر یہ الفاظ جاری تھے: ((اللہم اهد قومی فإیہم لا یعلمون)) (اے اللہ! میری قوم میری قدر و منزلت سے ناواقف ہے ان کی راہنمائی فرما۔)

اسوہ نبوی کا مکمل نقشہ:

مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی اور طاقت و اختیار میں درگزر، تاریخ انسانیت کے وہ نوا در ہیں، جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے۔

جنگ و صلح کی دو متضاد حالتیں:

جنگ و صلح کی متضاد حالتوں میں انسان کا نظام اخلاق دفعہ بدل جاتا ہے۔ ایک شخص بذات خود نہایت رحم دل ہے لیکن میدان جنگ میں جا کر نہایت بے رحم ہو جاتا ہے۔ ایک شخص ذاتی معاملات میں نہایت حلیم الطبع ہے، لیکن کسی فوج میں شامل ہو کر سخت مشتعل اور مغلوب الغضب ہو جاتا ہے۔ ایک شخص امن و صلح کے زمانے میں نہایت صادق العقول اور پابند عہد ہے لیکن زمانہ جنگ میں اتنا ہی خداع اور عہد شکن بن جاتا ہے۔ ایک جماعت، ایک قوم، ایک ملک، امن و سکون کے دور میں انسانیت کا بہتر سے

بہتر نمونہ ہوتا ہے۔ لیکن جنگی اغراض، طامعانہ اقدامات اور حربی مصالح کے عہد فساد میں آکر چار پایوں سے زیادہ وحشی اور درندوں سے زیادہ خونخوار ہو جاتا ہے۔

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ﴾<sup>(۱)</sup>

اسی بناء پر بعض حکماء کا قول ہے کہ: سیاست اپنے پہلو میں دل نہیں رکھتی۔<sup>(۲)</sup>

### مظلومانہ زندگی:

کئی زندگی کا ایک ایک واقعہ ظلم و تشدد کی بھیانک تصویر ہے۔ جسے پڑھ کر قاری کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۱۔ جنگ احد کے دوران زخمی حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا! اللہ کے رسول ﷺ، کیا اس سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آپ ﷺ پر گزرا ہے؟ فرمایا: ہاں! طائف کا دن۔<sup>(۳)</sup>

۲۔ عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ مجھے بتائیے کہ مشرکین کی رسول اللہ ﷺ کے خلاف شدید ترین کاروائی کون سی تھی؟ فرمانے لگے رسول اللہ ﷺ حطیم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن معیط نے آپ کا گلا گھونٹ دیا کہ آپ ﷺ کو سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دفاع کیا۔<sup>(۴)</sup>

۳۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے چشم دید واقعہ بیان کیا کہ آپ ﷺ کعبہ میں سجدہ کی حالت میں تھے۔ مشرکین کی مجلس سے کسی نے کہا کہ کون اٹھے گا اور فلاں کے گھر ذبح شدہ اونٹ کی اور جری، گندگی سمیت آپ ﷺ پر رکھ دے۔ چنانچہ ایک بد بخت نے یہ کارنامہ سر انجام دیا۔ عین سجدہ کی حالت میں آپ ﷺ کی کمر پر او جھڑی رکھ دی گئی۔ اور مشرکین ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ اور میں بے بسی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔<sup>(۵)</sup>

۴۔ عقبہ بن معیط سجدہ کی حالت میں آپ ﷺ کی گردن پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

۵۔ قریش کے ابواش آپ ﷺ کے چہرہ اقدس اور سر پر مٹی پھینک دیتے۔

۶۔ اور کبھی کبھی یہ نوجوان آپ ﷺ کے گھر گندگی پھینک دیتے اور آپ ﷺ لکڑی پر اسے اٹھا کر اسے باہر لاتے اور فرماتے: اے بنی عبد مناف! یہ کیسا پڑوس ہے؟

۷۔ ایک مرتبہ امیہ نے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر تھوک دیا۔<sup>(۶)</sup>

علاوہ ازیں سفر طائف کا ایک ایک لمحہ کرب و الم تشدد اور درندگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مگر سرور کائنات ان تمام ظالمانہ کاروائیوں کے باوجود حکم الہی ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَرْصِ مِنَ الرُّسُلِ﴾<sup>(۷)</sup> پر شدت سے کار بند رہے۔ رد عمل میں نہ بدعا ہے نہ آہ وزاری، گالیاں ہیں نہ بدگوئی۔ بلکہ زبان رحمت سے یہ الفاظ نکلے "مجھے امید ہے کہ ان کی نسل سے توحید کے علمبردار قوم تیار ہوگی"۔<sup>(۸)</sup>

### فتح مکہ اور پیغمبر امن:

مکہ میں فاتح اور غالب ہو کر داخل ہوئے، ظلم و تشدد کرنے والے ہاتھ باندھے، نظریں جھکائے فیصلے کے منتظر ہیں، قتل یا قید۔

اس موقع پر حضور ﷺ نے قریش کو مخاطب کر کے پوچھا:----- تم کو معلوم ہے کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ ان الفاظ کے گونجتے ہی ظلم اور مکر، تشدد اور خونخواری کی وہ ساری گندی تاریخ قریش کی نگاہوں کے سامنے سے ایک فلم کی طرح گزر گئی ہوگی جسے انہوں نے بیس اکیس برس میں تیار کیا تھا، ان کے ضمیر پھٹ جانے کو ہیں، بے بسی اور تضرع کے عالم میں وہ لوگ پکار اٹھے : «أَخِ كَرِيمٍ، وَابْنِ أَخِ كَرِيمٍ»<sup>(۹)</sup> جواباً آواز آئی----- ﴿لَا تَنْزِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾<sup>(۱۰)</sup> «اذْهَبُوا فَأَنْتُمْ الطُّلُقَاءُ»<sup>(۱۱)</sup>

امن و سلامتی کے پیغام کے اس ایک جملہ نے آتش انتقام اگلتی زبانوں کو گنگ کر دیا اور خون آشام چمکتی تلواروں کو میانوں میں داخل اور جذبہ انتقام سے سموم لہراتے نیزوں کو سرنگوں کر دیا۔

### فاتحانہ پالیسی کا اعلان:

«مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ،

وَمَنْ أَغْلَقَ عَلَيْهِ دَارَهُ فَهُوَ آمِنٌ،

وَمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ»<sup>(۱۲)</sup>

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھ کر جوش انتقام سے مغلوب پا کر یہ اعلان کیا

«الْيَوْمَ يَوْمَ الْمَلْحَمَةِ» آج جی بھر کر انتقام لینے اور خون بہانے کا وقت ہے۔



دوسرے کے ساتھ منسلک کر دیا کہ جس کی مثال مواخات، بھائی چارے کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

### تعمیر ملت کا سنگ بنیاد:

"دنیا میں کوئی کام انسانوں کیلئے اس سے زیادہ مشکل نہیں کہ بکھرے ہوئے انسانی دلوں کو ایک رشتہ الفت میں پرودے، اور یہ کام تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے، جب معاملہ ایسے انسانوں کا ہو۔ جو صدیوں سے باہمی جنگ و جدل کی آب و ہوا میں پرورش پاتے رہے ہوں اور جن کے نفسیاتی سانچوں میں باہمی آمیزش و استلاف کا کوئی ڈھنگ باقی نہ رہا ہو۔" (۱۸)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ﴾ (۱۹)

(تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے۔ مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے۔)

### مواخات:

مواخات پر عمل مکہ میں بھی ہوا اور مدینہ میں بھی، مواخات مکہ میں مکئی اصحاب کی سلسلہ بندی مقصود تھی، نصرت علی الحق اور مواسات مطلوب تھی اور مواخات مدینہ میں مکئی و مدنی اصحاب میں وحدت اسلامی کا پیدا کرنا ملحوظ تھا۔ توسیع محبت اور استحکام انس و موودت اس کی بنیاد تھی۔

### مواخات مکہ:

|  |  |
|--|--|
| حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ             | محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم        |
| حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ              | حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ           |
| حضرت زبیر بن حارثہ رضی اللہ عنہ          | حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ |
| حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ      | حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ         |
| حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ (۲۰) | حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ        |

### مواخات مدینہ اور طریقہ مواخات:

ہجرت سے پانچ چھ ماہ کے بعد جن دنوں مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی، ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کے ساتھ اخوت و معاقت سے قوی دل قوی بازو بنایا گیا۔

«ثم أخی رسول اللہ ﷺ بین المهاجرین والأنصار فی دار أنس ابن مالک، وکانوا تسعین رجلاً: نصفهم من المهاجرین ونصفهم من الأنصار آخی بینهم علی المواساة ویتوارثون بعد الموت دون ذوی الأرحام»

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم کیا۔ وہ تقریباً ۹۰ افراد تھے۔ نصف مہاجرین اور نصف انصار اور یہ رشتہ ہمدردی اور غمخواری کے بنیاد پر قائم ہوا۔ اس کے نتیجہ میں وہ خونری رشتہ داروں کو چھوڑ کر باہمی ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے۔<sup>(۲۱)</sup>

### مواخات کا اثر:

مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کیلئے قائم کیا گیا، کہ بے خانماں مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے، لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا۔ اس بنا پر جن لوگوں میں رشتہ اخوت قائم کیا گیا، ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحاد مذاق موجود ہو، جو تربیت پذیری کیلئے ضروری ہے تفحص اور استفعاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا۔ دونوں میں یہ اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سینکڑوں اشخاص کی طبیعت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ شان نبوت (داعی امن و محبت) کی خصوصیات میں سے ہے۔<sup>(۲۲)</sup>

سرور عالم ﷺ نے عقیدے، نظریے اور مقصد کی صحیح معنوں میں ایک نئی برادری پیدا کر دکھائی اور ایک ایک انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ایک مہاجر رضی اللہ عنہ کا برادرانہ رشتہ قائم کر دیا۔ انصار رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مال، مسکن، باغات اور کھیت آدھے آدھے بانٹ کر رفقاء اسلام کو دے رہے تھے بلکہ بعض تو یہاں تک تیار ہو گئے کہ دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر اپنے دینی بھائی کے نکاح میں دے دیں۔ دوسری طرف مہاجرین رضی اللہ عنہم کی خوداری کا عالم یہ تھا کہ وہ کہتے تھے، "ذُلنی علی السُّوق" (ہمیں بازار کا راستہ دکھا دو)<sup>(۲۳)</sup>



### حصول امن کیلئے حقوق انسانی کا احترام اور سیرت طیبہ:

اسلام نے جس قدر احترام انسانیت کو بلند کیا ہے اس کی کوئی مثال کسی مذہب میں نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو علمی اور عملی راستہ دنیا کو دکھایا اور ورثہ میں دیا اس میں انسانی ہمدردی اور امن و سلامتی ہی قدر مشترک ہے، جسے دوسرے الفاظ میں ہم یوں تعبیر کر سکتے ہیں۔ حقوق اللہ کے ساتھ رسول ﷺ نے جس قدر حقوق العباد پر تاکید فرماتی ہے، وہ صرف اور صرف اس باہمی محبت اور امن و سلامتی کی خاطر ہے، بغض و نفرت کے جذبات اس وقت پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ احساس محرومی پیدا ہوتا ہے اور حق تلفی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اگر ہر شخص اپنے حقوق کا تحفظ کرنے اور ان کے حصول کی طرح دوسرے کا بھی حق سمجھے تو کوئی وجہ نہیں کہ معاشرتی امن و سکون میسر نہ آسکے اور منافرت و دہشت کا راستہ نہ رک سکے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے پوری انسانیت کو یہ احساس دلایا، آپ نے باب بیت اللہ کے دونوں بازو پکڑ کر تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا: اس میں قریش کو مخاطب کرتے ہوئے انسانی مساوات کے خلاف ان کے وضع کردہ قوانین اور طبقاتی ونسبی امتیازات کے خاتمے کا تاریخ ساز اعلان فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبْيَةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَفَحَرَهَا بِالْأَبَاءِ

مُؤْمِنٍ تَقِيٍّ، وَفَاجِرٍ شَقِيٍّ، أَنْتُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ»<sup>(۲۴)</sup>

اے قریش! جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا، تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے، تاکہ انسان کے دل و دماغ میں یہ حقیقت موجود رہے کہ جس دھرتی پر وہ چلتا ہے، یہی دھرتی سب کی مشترکہ مادہ تخلیق ہے جس طرح اس سے پیدا کیے جائے اور پھر اس میں لوٹانے جانے ہیں سب برابر ہیں، اس طرح اس پر رہنے کا سب کو یکساں حق ہے۔

حقوق انسانی اور احترام آدمیت کو جو سبق پیغمبر رحمت ﷺ نے دیا، اس پیغام امن میں اپنے اور بیگانے کا کوئی امتیاز نہیں وہاں اولیت انسانی قدر مشترک کو ہے۔ ایک مرتبہ کسی یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اللہ کے رسول ﷺ! یہ تو یہودی کا جنازہ تھا، پیغمبر رحمت ﷺ فرماتے ہیں: «أَلَيْسَتْ نَفْسًا» کیا وہ انسان نہیں؟<sup>(۲۵)</sup>

آزادی:

اسلام کا ایک بنیادی نظریہ ہے کہ خدا نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ لیکن اس نے یا خود ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہن لیں یا ظالمانہ روایات اور جابر انسانوں نے اپنے ہم جنسوں کو پابہ زنجیر کر دیا۔ کسی انقلاب کو حقیقی مصلحانہ انقلاب نہیں کہہ سکتے جب تک اس انقلاب سے انسان کا قدم غلامی سے آزادی کی طرف نہ بڑھے۔

انسان کی یہی حقیقت اس مصرع میں بیان کی ہے کہ:

خلق را از انبیاء آزادی است

پیغمبر امن ﷺ جب مبعوث ہوئے اس وقت تمام دنیا کے انسان گونا گوں غلامیوں میں جکڑے ہوئے تھے، ظالم حکمرانوں نے رعایا کو غلام بنا رکھا تھا، مذہبی پیشواؤں احبار اور رہبان نے لوگوں کے دل و دماغ کو توہمات کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور فطرت کے گلے میں بھاری طوق ڈال رکھے تھے۔ پیغمبر ﷺ نے وہ سارے بوجھ اتار دیئے اور وہ تمام بندشیں توڑ کر زندگی کو آزاد کر دیا۔

قرآن مجید نے ان الفاظ میں اس کی تصویر کشی کی:

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾<sup>(۲۶)</sup>

(اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن

میں جکڑے ہوئے تھے۔)

پیغمبر امن ﷺ نے انسانی وجود کو آزادی کے ساتھ اس کے ضمیر کی آزادی کا علم بھی بلند کیا اور اسے آزادی اظہار کسی کے شخص کے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہنے پر کوئی نہیں۔ وہ کم از کم انسانی حدود میں رہ کر جس طرح چاہے اظہار خیال کرے اور جس خیال کو چاہے اپنائے۔ حتیٰ کہ فرمایا: ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾<sup>(۲۷)</sup> (دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں بلاشبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے الگ اور نمایاں ہوگی۔)

عدل و مساوات برائے حصول امن:

مساوات کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو شرعاً و قانوناً و اخلاقاً وہ تمام حقوق حاصل ہوں، جو کسی دوسرے شخص کو اسی ملک یا اسی دین کے اندر حاصل شدہ ہوں۔

کسی شخص کو محض نسلی، علاقائی اور لسانی اور خاندانی بنیاد پر برتری کا حق نہ ہو، قانون کی نظر میں تمام پر برابر ہوں، قانون کا اگر منصفانہ اور غیر جانبدار نفاذ نہ ہو تو وہ اپنی روح تخلیق سے محروم ہو جاتا ہے اور پھر وہی قانون امن و سلامتی کا ذریعہ بننے کی بجائے تخریب و فساد دہشت گردی اور بد امنی کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لیے اسلام نے عدل اجتماعی اور مساوات کو معاشرتی استحکام کیلئے از بس ضروری قرار دیا ہے تاکہ انسانی امن و سلامتی کے خلاف ابھرنے والے جذبات کو قنتہ سامانی اور فساد خیزی کا موقع نہ مل سکے۔

اس سلسلہ میں یہ حکم کس قدر واضح ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اَعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (۲۸)

(اور تمہیں کسی قوم سے دشمنی عدل کرنے سے ہرگز نہ روکے، عدل و انصاف کرو یہی بات قرین تقویٰ ہے۔)

### قانونی مساوات اور معاشرتی امن:

پیغمبر اسلام نے اگر اپنے پیغام امن و سلامتی کو انسانی معاشرہ میں ایک محسوس حقیقت کے طور پر منوایا تو اس میں اس عادلانہ و منصفانہ نفاذ قانون کے اجراء کا بہت بڑا عمل دخل تھا۔ ایک دفعہ قریش کے ایک معزز گھرانے کی عورت نے چوری کی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ان کی سفارش کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَأَيُّمُ اللّٰهُ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا» (۲۹) (اللہ کی قسم بالفرض اگر فاطمہ محمد ﷺ کی لخت جگر بھی چوری کرے تو اللہ کا رسول ﷺ اس کا بھی ہاتھ کاٹ دے گا۔)

### مشاورت و مشارکت:

کسی بھی منزل و مدینہ کے افراد جب احساس محرومی پائیں گے تو منفی جذبات کو انگلیخت ملے گی۔ خانگی و ملکی سیاست میں کامیاب ریاست کا خواب تب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے جب وہاں کے متعلقہ افراد کو اعتماد میں لیتے ہوئے مشاورت و شراکت کا عمل اپنایا جائے۔ اگر جبر و اکراہ اور ڈکٹیٹر شپ ہوگی تو کسی بھی وقت تخریب کاری اور دہشت گردی کا لاوا پھوٹ سکتا ہے۔ جبکہ مشارکت و شراکت کا عمل ہر لمحہ ہر فرد کو بذات خود ذمہ دار ٹھہراتا ہے اور یہی احساس ہر قسم کے منفرد جذبات کو روکنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے، چنانچہ انسانی معاشرہ میں امن و سلامتی اور استحکام کی خاطر اس پہلو میں مشاورت کا جو قدم اٹھایا

ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو پابند کیا جا رہا ہے۔ (۳۰)

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ (۳۱)

(اور ان سے معاملات میں مشورہ کیجئے۔)

جبکہ عام مسلمان سوسائٹی کی خوبی یہ بیان کی جاتی ہے:

﴿وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (۳۲)

(معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں۔)

اسلام جس معاشرہ کو جسد واحد دیکھنا چاہتا ہے، وہ اس عمل مشاورت و شراکت ہی کی برکت سے ممکن ہے۔

امام قرطبی اپنی تفسیر میں مشاورت کا فائدہ نقل کرتے ہیں:

« فَإِنَّ ذَلِكَ أَعْطَفُ لَهُمْ عَلَيْهِ وَأَذْهَبُ لِأَضْغَانِهِمْ، وَأَطْيَبُ لِنُفُوسِهِمْ.

فَإِذَا شَاوَرْتَهُمْ عَرَفُوا إِكْرَامَهُ لَهُمْ » (۳۳)

"اپنے ساتھیوں سے مشاورت ان سے نرمی و محبت کا مظہر ہے اور ان کے دلوں میں چھٹی نفرت کو ختم کرنے کا سبب، نیز ان کیلئے اطمینان کا ذریعہ ہے اور جب ان سے مشورہ ہو گا تو وہ سمجھیں گے ان کی عزت و احترام ہوا ہے۔"

### مختلف قبائل و اقوام سے معاہدات امن

معاہدہ حدیبیہ اور امن و سلامتی: یہ معاہدہ پیغمبر امن ﷺ، ان کے ساتھیوں اور کفار مکہ کے درمیان ۶ ہجری میں طے پایا۔ جس میں کفار نے مسلمانوں کی سیاسی، مذہبی اور آزاد حیثیت کو تسلیم کر لیا۔ جو کام کئی جنگوں سے نہیں ہو سکا وہ صلح کے ذریعے منوایا گیا۔

"حضور ﷺ کی اسلامی تحریک کی تاریخ میں معاہدہ حدیبیہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کے نتیجے میں حالات کے دھارے نے ایک اہم ترین موڑ موڑا اور تحریک حق ایک ہی جست لگا کر اپنی توسیع کے عوامی دور میں داخل ہو گئی۔ محسن انسانیت کی سیاسی بصیرت کی انتہائی معراج کمال اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ درجہ اول کے معاند اور برسر جنگ

طاقت کو حضور نے کس آسانی سے مصالحت پر تیار کر لیا اور اس کے ہاتھ کئے برس کیلئے باندھ دیے۔" (۳۴)

**فتح مبین جنگ یا صلح:** قرآن مجید نے جنگ کو "فتح مبین" نہیں کہا بلکہ صلح کے معاہدہ کو کہا ہے۔ اسلام نے اپنی تعلیمات میں ایک عام تصور دیا ہے کہ ہر معاملہ میں جنگ و جدال کی بجائے صلح بہتر ہے۔

﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (۳۵)

(اور صلح ہی بہتر ہے۔)

دوسری جگہ رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے:

﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (۳۶)

(اور اگر وہ صلح کیلئے مائل ہوں تو تم بھی صلح کیلئے تیار ہو جاؤ۔ اور تم اللہ پر بھروسہ کرو بے

شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔)

آنحضرت ﷺ کی سیرت بتاتی ہے کہ کفار میں سے جو بھی آپ سے صلح کرتا، تو آپ ﷺ

اس سے لڑائی نہیں کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت پاک سے یہ چیز تو اتر سے ثابت ہے۔

تقریباً یہی بات علامہ ابن قیمؒ نے لکھی ہے:

« وَمَنْ تَأَمَّلَ سِيرَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ لَمْ يُكْرِهْ أَحَدًا عَلَى دِينِهِ قَطُّ، وَأَنَّهُ إِذَا قَاتَلَ مَنْ قَاتَلَهُ وَأَمَّا مَنْ هَادَنَهُ فَلَمْ يُقَاتِلْهُ مَا دَامَ مُقِيمًا عَلَى هُدُنَّتِهِ، لَمْ يَنْقُضْ عَهْدَهُ» (۳۷)

جو شخص بھی آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں غور کرے گا اس پر واضح ہو گا کہ آپ ﷺ نے اس سے جنگ کی جس نے خود آپ ﷺ سے جنگ کی ورنہ جس نے صلح کی اس سے آپ ﷺ نے جنگ نہیں کی۔

ہندو ادیب اور سیرت نگار سوامی لکشمین پرشاد صلح حدیبیہ پر "فتح مبین" کے عنوان کے تحت

لکھتا ہے:

"اس کی (صلح حدیبیہ) ذلت آمیز شرائط ہی میں ملک و ملت کے لیے امن و امان اور انسانی فلاح و بہبود کا راز مضمّن تھا۔ بعد میں پیش آنے والے واقعات سے قطع نظر اس وقت بھی

اگر بنظر عمیق دیکھا جاتا تو یہ صلح جسے عام مسلمان اپنی "شکست فاش" قرار دے رہے تھے، انہیں فتح مبین ہی نظر آتی۔

اسلام کی جنگ وجدال، صلح و آشتی اور امن وامان کے لیے مخصوص تھی، پھر جب ان شرائط پر بغیر تلوار کو میان سے نکالنے کے خونریزی کا سدباب ہو گیا تو یہ اسلام کی فتح ہوئی یا شکست؟ اسلام کی سب سے بڑی ظفر مندی یہ نہیں کہ وہ ملک کو شعلہ زار جنگ وجدال بنا دے بلکہ اس کی سب سے بڑی ظفر مندی شعلہ زار جنگ وجدال کو فردوس زار امن ورافت میں تبدیل کرنا ہے۔ اس حقیقت کو حضرت محمد ﷺ کی بلند نظری نے دیکھ لیا تھا اور ان شرائط پر جنہیں عربوں کی اقتدار پسند طبیعت ذلت آمیز قرار دے رہی تھی، صلح و آشتی کا معاہدہ مترتب کر کے ملک کو جنگ کی شعلہ ریزیوں اور خونچکانیوں سے ایمن کر دیا تھا۔ اگر حضور انور ﷺ ذرا سی اقتدار پسندی کے جذبے سے بھی کام لیتے تو ہزاروں سرتن سے جدا ہو جاتے، سینکڑوں عورتیں بیوہ اور سینکڑوں بچے یتیم ہو جاتے۔ مگر آپ ﷺ نے انتہائی دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنے متبعین مخلصین کی کثرت رائے کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے بغیر تیر و تلوار کے وہ حیرت انگیز کار نمایاں کر دکھایا جسے جنگجویان اسلام تیر و تلوار کی قوت سے بھی سرانجام نہ دے سکتے اور ساتھ ساتھ یہ "ذلت آمیز شرط" بھی کہ اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی مدینہ سے مکہ آجائے تو قریش اسے مسلمانوں کو واپس نہ دیں گے لیکن اگر قریش کا کوئی آدمی مدینہ آجائے تو مسلمانوں کو واپس دینا ہوگا، زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اور کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ خود قریش اس کے منسوخ کر دینے پر مجبور ہوئے۔" (۳۸)

**جنگ سے قبل معاہدہ امن:** رسول اللہ ﷺ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز جنگ کی بجائے معاہدہ امن سے کیا۔ نبی مکرم علیہ السلام کی زندگی دو ادوار میں منقسم ہے۔ مکی دور صبر و تحمل برداشت اور عفو درگزر کی اعلیٰ مثال ہے۔ اور مدنی دور نوع انسانیت کے ساتھ راواداری، اتحاد و اتفاق، ترک انتقام، صلح و آشتی اور امن و سلامتی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

**یہود کے ساتھ معاہدہ:** نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد جن مسلمانوں کے درمیان، عقیدے، سیاست اور نظام کی وحدت کے ذریعے ایک نئے اسلامی معاشرے کی بنیادیں استوار کر لیں۔ تو غیر مسلموں کے ساتھ

اپنے تعلقات منظم کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ ساری انسانیت، امن و سلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو، اور اس کے ساتھ ہی مدینہ اور اس کے گرد و پیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظم ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے قوانین مسنون فرمائے جن کا اس تعصب اور غلو پسندی سے بھری ہوئی دنیا میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔ مدینے کے سب سے قریب ترین پڑوسی یہود تھے۔ یہ لوگ اگرچہ درپردہ مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے لیکن انہوں نے اب تک کسی محاذ آرائی اور جھگڑے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ منعقد کیا، جس میں انہیں دین و مذہب اور جان و مال کی مطلق آزادی دی گئی تھی اور جلا وطنی، ضبطگی، جائداد یا جھگڑے کی سیاست کا کوئی رخ اختیار نہیں کیا تھا۔<sup>(۳۹)</sup>

سوامی لکشمین پرشاد اس معاہدہ پر خراج تحسین ان الفاظ میں دیتے ہیں:

اس معاہدہ کی تمام شرائط سے آفتاب درخشاں کی طرح یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ باشندگان مدینہ نے حضور انور کی غیر معمولی عظمت و وقعت کو قطعی طور پر محسوس کر لیا تھا اور اس تھوڑے وقت میں بھی ان پر اس حقیقت کا اذعان ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ کے پہلو میں ایک صلح کل انصاف پسند، اور بے غرض دل موجود ہے۔

انصاف پسندی کا تقاضا حضرت محمد ﷺ کی دور اندیشی، بلند نظری اور عالی دماغی بے اختیار داد دینے پر مجبور کرتا ہے جب ہم حالات کی نزاکت کو محسوس کرنے کے بعد ان شرائط پر ایک نظر ڈالتے ہیں اس موقعہ کے مطابق ان شرائط کی اہمیت کس قدر واقع ہے۔ یہ کسی معمولی دماغ کا نتیجہ نہیں ہیں۔<sup>(۴۰)</sup>

امن و سلامتی کے دائرے کو مزید وسعت دینے کے لئے نبی ﷺ نے آئندہ دوسرے قبائل

سے بھی حالات کے مطابق اس طرح کے معاہدے کیے۔

**قبیلہ جہینہ سے معاہدہ امن:** امن و امان اور سکون و سلامتی کے دائرے کو مزید وسعت دینے کے لئے پیغمبر امن ﷺ نے دوسرے قبائل سے بھی حالات کے مطابق اسی طرح کے معاہدے کیے۔ ان میں سے ایک معاہدہ قبیلہ جہینہ کے ساتھ کیا۔ ان کی آبادی مدینہ سے تین مرحلے (۴۵ یا ۵۰ میل کے فاصلے) پر واقع تھی۔<sup>(۴۱)</sup>

بنو ضمرہ سے معاہدہ امن: پیغمبر امن ﷺ نے ایک معاہدہ امن غزوہ ابواء (وڈان) صفر ۲ھ میں طے کیا۔ اس مہم میں آپ ﷺ ستر مہاجرین کے ہمراہ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے تھے۔ اس غزوے میں آپ ﷺ نے بنو ضمرہ کے سردار مخشی ضمری سے حلیفانہ معاہدہ کیا۔<sup>(۴۲)</sup>

معاہدے کی عبارت یہ تھی:

"یہ بنو ضمرہ کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے۔ یہ لوگ اپنی جان اور مال کے بارے میں مامون رہیں گے اور جو ان پر یورش کرے گا، اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی، الا یہ کہ یہ خود اللہ کے دین کے خلاف جنگ کریں۔ (یہ معاہدہ اس وقت تک کے لیے ہے) جب تک سمندر ان کو تر کرے (یعنی ہمیشہ کے لیے ہے) اور جب نبی ﷺ اپنی مدد کے لیے انھیں آواز دیں گے تو انھیں آنا ہوگا۔"<sup>(۴۳)</sup>

بنو مدلج سے معاہدہ امن: ایک معاہدہ پیغمبر امن ﷺ نے غزوہ ذی العشیرۃ جمادی الاولیٰ یا جمادی الآخرہ ۲ھ میں بنو مدلج اور ان کے حلیف بنو ضمرہ سے کیا۔ اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ ڈیڑھ یا دو سو مہاجرین تھے۔<sup>(۴۴)</sup>

ان معاہدات سے آپ ﷺ کی امن پسندی اور صلح جوئی کی پالیسی واضح ہو رہی ہے۔

### جہاد برائے امن:

"دار و سکندر سے لے کر ترقی یافتہ یورپ کے مہذب جرنیلوں تک کی روایت یہی ہے کہ فاتح قوم مفتوح قوم کے مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو بے دریغ قتل کرتی ہے۔ شہریوں اور بستیوں کو تاراج کرتی ہے، سرسبز و شاداب کھیتوں اور باغات کو برباد کرتی ہے، گھروں اور عمارتوں کو نذر آتش کرتی ہے، لیکن پیغمبر اسلام نے اس خونی روایت سے ہٹ کر ایک عظیم انقلابی اور اصلاحی روایت کی طرح ڈالی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کا مشن لوگوں کی جانیں لینا نہیں، جانیں بچانا تھا، زمین کے خطوں کو فتح کرنا نہیں بلکہ دلوں کو فتح کرنا تھا، انسانوں کو ذلیل اور رسوا کرنا نہیں بلکہ عز و شرف عطا کرنا تھا۔ شہروں اور بستیوں کو ویران کرنا نہیں بلکہ آباد کرنا تھا۔ درندگی، دہشت گردی اور فساد فی الارض برپا کرنا نہیں بلکہ درندگی، دہشت گردی اور فساد فی الارض کا قلع قمع کرنا تھا۔ ہر وہ شخص جو ضمیر کی آواز رکھتا ہے، جس کا دل اور دماغ تعصب سے اندھا نہیں ہوا،



وہ پیغمبر اسلام کی قائم کی ہوئی اس عظیم انقلابی اور اصلاحی روایت میں پیغمبر اسلام کے مقدس مشن کو بڑی آسانی سے دیکھ سکتا ہے۔<sup>(۴۵)</sup>

### مقاصد جہاد:

جہاد برائے دفاع: انسان کے تمدنی حقوق میں یہ شامل ہے کہ اسے زندہ رہنے کا حق دیا جائے، انسان کی عزت، مال و جان، اہل و عیال اور گھر کا تحفظ ہو۔ اگر انسان کی جان کی قیمت نہ ہو، اس کا کوئی احترام نہ ہو، اس کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ ہو تو چار آدمی کیسے مل کر رہ سکتے ہیں، ان میں باہم معاملات کیسے ہو سکتے ہیں۔ اسلام چونکہ انسانی حقوق کے تحفظ و دفاع کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ اس لئے اس نے ان حقوق کے تحفظ کی خاطر دفاعی جنگ کو ضروری نہیں بلکہ فرض قرار دیا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقْتَلُونَكُمْ وَلَا تَعَدُوا﴾<sup>(۴۶)</sup>

(اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو۔)

اگر کوئی شخص ان حقوق کا دفاع کرتے ہو امارا جائے تو وہ شہید کہلائے گا:

«مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ،

وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ

شَهِيدٌ»<sup>(۴۷)</sup>

جہاد برائے خاتمہ فتنہ و فساد: قرآن مجید نے فتنہ و فساد کے خاتمہ کیلئے جہاد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ﴾<sup>(۴۸)</sup>

(تم ان سے لڑتے رہو جہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کیلئے ہو جائے۔)

فتنہ سے مراد ہو وہ قوت اور جبر ہے جو اشاعت اسلام کی راہ میں آڑے آئے اور معاشرہ کی بھلائے اور اصلاح کا فریضہ سرانجام دینے والوں کی راہ میں رکاوٹ بنے۔ اور کوئی انسانی گروہ زبردستی اپنا فکری استبداد دوسروں پر مسلط کر کے اور لوگوں کو قبول حق سے بجز رو کے اور اصلاح و تغیر کی جائز و معقول کوششوں کا مقابلہ دلائل سے کرنے کے بجائے حیوانی طاقت سے کرنے لگے تو وہ قتل بہ نسبت زیادہ سخت برائی کا ارتکاب کا کرتا ہے اور ایسے گروہ کو بزور شمشیر ہٹا دینا بالکل جائز ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾<sup>(۴۹)</sup>

مظلوموں کی فریادرسی: اگر دنیا کے کسی خطہ میں رہائش پذیر مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو تو ان کی دادرسی کیلئے انہیں ظلم سے نجات دلانے کیلئے جہاد کرنا فرض ہے۔ بلکہ اس میں کوتاہی موجت عتاب ہے۔  
ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

وَالْوَالِدِينَ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَنَا

مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَّدُنكَ نَصِيرًا﴾<sup>(۵۰)</sup>

یعنی جب مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو وہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں بستے ہوں ان کو ظلم و ستم سے نجات دلانے کیلئے تمام مسلمانوں کو جہاد کیلئے اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ہے:

﴿وَإِنْ أَسَنَصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ إِلَّا عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ

وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ﴾<sup>(۵۱)</sup>

(اگر تم سے دین کے معاملے میں مدد مانگے تو تم پر مدد کرنا لازم ہے۔ مگر اس قوم کے

خلاف کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو۔)

ظلم کا بدلہ لینے کے لئے جہاد: اپنے آپ پر ہونے والے ظلم کو روکنا دین اسلام کی تعلیم کا حصہ ہے۔  
قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾<sup>(۵۲)</sup>

(قتال کی اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جارہی ہے کیوں کہ ان پر

ظلم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔)

قرآن مجید کی یہ سب سے پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کی جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔

اجازت دینے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے بیان فرمادی ہے کہ چونکہ مسلمانوں پر مسلسل تیرہ

سال تک بے پناہ ظلم و ستم ڈھائے گئے۔ لہذا اب انہیں اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ بھی ظلم کرنے والوں کے خلاف جنگ کریں۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ تَفْتَنُوهُمْ وَآخِرُ جُوهِم مِّنْ حَيْثُ آخَرَجُوكُمْ﴾ (۵۳)

(اور ان کو قتل کرو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ ہو اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے۔)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا جا رہا ہو ان کے گھر بار چھینے جا رہے ہو، ان کو ان کی جائیدادوں سے بے دخل کیا جا رہا ہو، انہیں قتل کیا جا رہا ہو، تو ایسے ظالموں، قاتلوں اور مفسدوں کے خلاف جنگ کرنی چاہیے۔ اور اگر کفار مسلمانوں کو ان کی سر زمین سے نکال دیں یا ان سے اقتدار چھین لیں تو مسلمانوں کو بھی طاقت حاصل ہونے پر کفار کو وہاں سے نکال دینا چاہیے اور ان سے اقتدار واپس لینا چاہیے۔

انسانی خدائی کے خاتمہ کے لئے جہاد: دین اسلام کی بنیاد عقیدہ توحید ہے، جس کے مطابق اس دنیا کا خالق، مالک، رازق، معبود، آقا اور شہنشاہ صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ باقی ساری مخلوق اس کے عاجز بندے اور دست بستہ غلام ہیں جو اس کے آگے جو ابدہ ہیں۔ لہذا کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود بندوں کا رازق بن کر ان کو ذلیل و رسوا کرنے لگے۔ کسی طاقتور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود بندوں کا مالک بن جائے اور ان کی عزتوں سے کھیلنے لگے۔ کسی حاکم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کا شہنشاہ بن جائے اور رعایا کے حقوق پامال کرنے لگے۔

حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایرانی سپہ سالار رستم کو مقصد جہاد بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

«اللَّهُ ابْتَعَثَنَا لِنُخْرِجَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَى عِبَادَةِ اللَّهِ» (۵۴)

ہم اس لیے جہاد کرتے ہیں تاکہ ہم اللہ کے بندوں میں جسے اللہ چاہے بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی کی طرف لے آئیں۔

بنیادی طور پر دین اسلام، امن و سلامتی، عدل و انصاف اخوت کا مذہب ہے اور ظلم و زیادتی، جبر و تشدد، بد امنی و دہشت گردی، خون ریزی اور غارت گری کا شدید دشمن ہے۔ جس کے ذریعے انسان کو

پنجہ استبداد میں کسا جاتا ہے۔ لہذا دین اسلام ظالموں اور جاہلوں کے خلاف جہاد کا حکم دیتا ہے تاکہ ان کے ظلم و تشدد اور جبر و استبداد کا خاتمہ ہو۔

اسی طرح قانون اور شریعت بنانے کا حق رب السموات والارض کے پاس ہے جو لوگ اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے شریعت کے احکامات امر و نہی اور حلت و حرمت اپنی مرضی سے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ وہ رب العالمین کے اقتدار و حاکمیت کو چیلنج کرتے ہیں۔

اور جن لوگوں نے ان کے اس منصب کو تسلیم کر لیا ہے ان کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿ اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ﴾ (۵۵)

(انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب مان لیا ہے۔)

اس لئے اللہ کی حاکمیت منوانے کیلئے، ظلم روکنے کیلئے، مظلوموں کی فریاد رسی کے لئے اور اپنے دفاع کے لئے جو جنگ لڑی جائے وہ اسلامی جہاد ہے۔ ان مقاصد سے کائنات امن کا گوارہ بن سکتی ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں ہم دنیا کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ انسانیت کو جس بد امنی، دہشت گردی، وحشت اور درندگی کا چیلنج درپیش ہے، اس کے علاج کے لئے تعصب سے بالاتر ہو کر پیغمبر امن ﷺ کی سیرت طیبہ اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات امن کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

مشہور مغربی مفکر کیرن آر مسٹرانگ لکھتی ہیں:

"اکیسویں صدی کی مختصر تاریخ دکھاتی ہے کہ فریقین میں سے کسی نے بھی یہ سبق نہیں سیکھے۔ اگر ہمیں تباہی سے بچنا ہے تو مسلمانوں اور مغربی دنیاؤں کو نہ صرف ایک دوسرے کو برداشت کرنا بلکہ ایک دوسرے کی قدر افزائی کرنا بھی سیکھنا ہو گا۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی ایک اچھا نقطہ آغاز ہے آپ ﷺ نے محض آئیڈیالوجی کی بنیاد پر زمرہ بندی کی مدافعت کی آپ نے کبھی کبھی ایسے کام بھی کیے جنہیں قبول کرنا ہمارے لیے مشکل یا ناممکن ہوا۔ لیکن آپ عمیق جینینس حاصل تھے اور آپ نے ایک ایسے مذہب اور ثقافتی روایت کی بنیاد رکھی جس کی قوت تلوار نہیں بلکہ اسلام کا لفظ تھا"۔ (۵۶)

کاغذی خاکوں اور پرفریب نعروں سے امن قائم نہیں ہو سکتا۔

کچھ لوگ بچھا کر کانٹوں کو گلشن کی توقع رکھتے ہیں

شعلوں کو ہوائیں دے دے کر ساون کی توقع رکھتے ہیں  
ماحول کے تپتے صحرا سے حالات کی اجڑی شانوں سے  
یہ اہل جنوں، پھولوں سے بھرے دامن کی توقع رکھتے ہیں

## حواشی و حوالہ جات

- (۱) سورة التین: ۵/
- (۲) آزاد، احمد، ابوالکلام، رسول رحمت، ص ۲۳۶، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۰، رسول رحمت: ص ۷۱
- (۳) الصحیح لمسلم، کتاب الجہاد، باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین والمنافقین، رقم: ۴۶۵۳
- (۴) البخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح، کتاب مناقب الانصار، باب مالقی النبی ﷺ وأصحابه من المشرکین ملکہ، رقم ۳۸۵۶
- (۵) الصحیح لمسلم، کتاب الجہاد، باب اشتداد غضب اللہ، رقم ۴۶۴۹
- (۶) الامام، عبداللہ بن شیخ عبدالوہاب، مختصر سیرت الرسول، ص ۱۱۳، مکتبۃ السلفیۃ، لاہور، ۱۹۷۹-۱۳۹۹
- (۷) سورة الاحقاف: ۳۵
- (۸) الصحیح لمسلم، کتاب الجہاد، باب مالقی النبی ﷺ، رقم ۴۶۵۳
- (۹) أبو بکر السیثی، السنن الکبری، المحقق: محمد عبدالقادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت-لبنات  
الطبعة: الثالثة، ۱۴۲۲ھ - ۲۰۰۳، ص: ۱۹۹/۹
- (۱۰) سورة یوسف: ۱۲
- (۱۱) بغوی أبو محمد الحسین بن مسعود معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، المحقق: عبدالرزاق المہدی دار إحياء التراث العربی الطبعة: الأولى، ۱۴۲۰ھ- بیروت ۱۹۹/۹ (مبارکپوری، صفی الرحمن، الرجیح المختوم، ص ۶۵۳:
- (۱۲) بغوی، معالم التنزیل، ص ۵/۳۲۱، مختصر سیرت الرسول: ص ۳۳۸
- (۱۳) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب أين ركز النبي لأية يوم الفتح
- (۱۴) مختصر سیرت الرسول: ص ۳۳۹
- (۱۵) مختصر سیرت الرسول: ص ۳۳۹؛ أبوبکر بن أبي شيبه، عبد الله بن محمد بن المحقق: كمال يوسف الحوت المصنف في الأحاديث والآثار مكتبة الرشد الطبعة الأولى، ۱۴۰۹، الرياض: ص: ۴۰۰/۷
- (۱۶) محسن انسانیت ۴۴۲
- (۱۷) ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، باب القدید، رقم ۳۳۱۲، دار السلام، ریاض
- (۱۸) رسول رحمت، ص: ۲۳۶

- (۱۹) سورة الانفال: ۶۳
- (۲۰) منصور پوری، محمد سلیمان، سلمان، رحمۃ للعالمین، ص ۳۳۹/۳، مکتبہ اسلامیہ، لاہور،
- (۲۱) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب مناقب الانصار، باب کیف آخی النبی ﷺ، رقم ۳۹۳۷ دار السلام لنشر والتوزیع، ریاض، الطبعة الاولى، ۱۹۹۷-۱۴۱۷
- (۲۲) شبلی، نعمانی، سیرة النبی ﷺ، ص: ۱۸۱/۱۱ الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۱۹۹۱
- (۲۳) الامام، عبداللہ بن شیخ عبدالوہاب، مختصر سیرت الرسول، ص: ۷۸، مکتبہ السلفیہ، لاہور، ۱۹۷۹-۱۳۹۹ھ
- (۲۴) سنن ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السجستانی، کتاب الديات، باب فی دية الخطاء شبه العمدة، رقم الحدیث ۴۵۴۷، دار السلام، ریاض، ۱۹۹۷-۱۴۱۷ھ
- (۲۵) مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، الصحیح، ۲۰۱۳، رقم ۹۶۱
- (۲۶) سورة الاعراف: ۱۵۷
- (۲۷) سورة البقرة: ۲۵۶
- (۲۸) سورة المائدة: ۸۰
- (۲۹) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب کراهية الشفاعة فی الحرّ
- (۳۰) برق توحیدی، اسلام اور دہشت گردی، ص ۷۵، بیت التوحید، دار السلام، ٹوبہ
- (۳۱) سورة آل عمران: ۱۵۹
- (۳۲) سورة الشوری: ۳۱
- (۳۳) قرطبی، محمد بن احمد، الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، انتشارات ناصر خسرو، طہران، ۱۳۶۲ھ ۵۰/۴
- (۳۴) سوامی، لکشمن پرشاد، عرب کاچاند، ص ۵۰۷، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور
- (۳۵) سورة النساء: ۱۳۸
- (۳۶) سورة الانفال: ۶۱
- (۳۷) ہدایۃ الحیاری، ص ۱۱۲
- (۳۸) عرب کاچاند، سوامی لکشمن پرشاد، ص: ۳۷۷، ۳۷۸
- (۳۹) الر حیق المختوم: ص ۳۱۸
- (۴۰) عرب کاچاند: ص ۲۲۰
- (۴۱) الر حیق المختوم، ص: ۲۶۹

- (۴۲) مختصر سیرت رسول ﷺ، ص: ۳۲۸، ۳۲۷
- (۴۳) الر حیق المختوم، ص: ۲۷۱
- (۴۴) الر حیق المختوم، ص: ۲۷۲
- (۴۵) ماہنامہ محدث لاہور، جلد نمبر ۳۳، شمارہ نمبر ۳، مارچ ۲۰۰۱ء
- (۴۶) سورة البقرة: ۹۰
- (۴۷) جامع الترمذی، کتاب الديات، باب ماجاء فيمن قتل دون ماله فهو شهيد
- (۴۸) سورة البقرة: ۱۹۳
- (۴۹) سورة البقرة: ۲۱۷
- (۵۰) سورة النساء: ۷۵
- (۵۱) سورة الانفال: ۷۲
- (۵۲) سورة الحج: ۳۹
- (۵۳) سورة البقرة: ۱۹۱
- (۵۴) البداية والنهاية: ۷/۴۰
- (۵۵) سورة توبه: ۳۱
- (۵۶) پیغمبر امن: ۱۵۸

\*\*\*\*\*